

جناب رضوان مآب سلطان العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ مولانا السید محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ

سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی النقیوی طاب ثراہ

نام و نسب

جناب غفرانمآبؒ مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ کے سب سے بڑے بیٹے سید محمد نام اور سلطان العلماء خطاب تھا۔ عوام میں بڑے قبلہ و کعبہ کے الفاظ سے مشہور تھے اور انتقال کے بعد جناب رضوان مآب کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ولادت

غفرانمآبؒ ۱۱۹۶ھ میں تحصیل علم کے بعد ہندوستان واپس ہوئے تو ان کی عمر اس وقت تیس سال کی تھی۔ اس کے پہلے تحصیل علم میں انہماک کی بنا پر غالباً انہوں نے ازدواجی ذمہ داریوں میں گرفتار ہونا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اب وہاں سے مراجعت کے بعد اپنے وطن نصیر آباد کے اشراف میں شادی ہوئی جس کے بعد آپ نے تبلیغی مصالح کے پیش نظر لکھنؤ میں قیام فرمایا تو یہاں ۱۷/ ماہ صفر ۱۱۹۹ھ کو سب سے پہلے فرزند کی ولادت ہوئی جس کا ہندوستان کی اس نسل میں رہنمایان دین کی پہلی فرد سمجھتے ہوئے با معرفت باپ نے سلسلہ چہارہ معصومین کی پہلی فرد حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ کے اسم مقدس سے برکت حاصل کرنے کے لئے محمد نام رکھا چنانچہ اس کے بعد اپنی اولاد کے نام بترتیب علی اور حسن رکھتے رہے جس کا اظہار خود جناب غفرانمآبؒ کی

زبانی ایک خواب کے ذیل میں ہوا ہے جس کا تذکرہ جناب مفتی میر عباس صاحب علی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب اوراق الذہب میں جناب سید العلماء سید حسین علیین مکان طاب ثراہ کے حالات میں کیا ہے۔

نشو و نما

جناب سلطان العلماء کی نشو و نما جناب غفرانمآبؒ کی آغوش تربیت میں اس ماحول میں ہوئی جب کہ ہندوستان میں مذہب جعفری کی اعلانیہ نشو و نما کا آغاز اور بدعتوں کا استیصال ہو رہا تھا۔ ۱۱۹۹ھ میں سلطان العلماء پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ میں لکھنؤ میں شیعوں کی سب سے پہلی نماز جماعت ہوئی اور جمعہ کی بنیاد قائم ہوئی اس وقت غفرانمآبؒ کی دینی مصروفیتوں کا کہنا ہی کیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اپنے فرزند اکبر کی تربیت اس بلند معیار پر کی جس کی بنا پر وہ اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین ہو سکے جسے تائید الہی کے سوا اور کچھ کہا نہیں جاسکتا اور اس تائید الہی کا ظہور اس خواب سے ہو گیا جسے جناب غفرانمآبؒ نے جناب سلطان العلماء کے ایام طفولیت میں دیکھا اور جس میں حضرت امام عصر علی اللہ فرجہ نے غفرانمآبؒ کو اس صاحبزادہ کی تربیت کے لئے اپنے زیر سایہ لینے کی بشارت دی۔ اس پر جناب سلطان العلماء عمر بھر فخر کرتے رہے۔ اس کا ذکر جناب تاج

العلماء نے اپنی مبسوط کتاب تفسیر سورہ یوسف احسن القصص میں رویائے صادقہ کی مثال میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔
تعلیم

اسے خواہ سلطان العلماء کی صلاحیت ذہنی کا غیر معمولی کرشمہ سمجھا جائے اور خواہ جناب غفرانمآبؒ کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کمال کہ سلطان العلماء کے بعد اس سلسلہ کے جتنے افراد ہوئے ان کے ذرائع تعلیم میں تو برابر وسعت پیدا ہوتی جا رہی تھی جناب سلطان العلماء کے دوسرے بھائیوں کی تعلیم میں کچھ نہ کچھ تو باپ کے ساتھ بڑے بھائی یعنی خود جناب سلطان العلماء کی شرکت تھی مگر سلطان العلماء کے لئے مکتب اور مدرسہ اور یونیورسٹی شروع سے آخر تک جتنے مراکز تعلیم سمجھے جاسکتے ہیں ان سب کے لئے بس فقط ان کے والد یعنی غفرانمآبؒ کی ذات تھی۔ اس کے باوجود انتہائی تعجب خیز امر نہیں تو اور کیا ہے کہ انیس برس کی عمر میں سلطان العلماء تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے چنانچہ ۱۲۲۸ھ میں جناب غفرانمآبؒ نے آپ کو اجازہ مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد جناب غفرانمآبؒ سترہ برس بقید حیات رہے لہذا یوں سمجھنا چاہئے اس طویل مدت میں آپ خدمات دینیہ، تربیت طلباء اور اشاعت دین کے کارناموں میں اپنے والد بزرگوار کے دست و بازو بنے رہے۔

غفرانمآبؒ کے بعد

جناب غفرانمآبؒ کی وفات کے وقت جناب

سلطان العلماء کی عمر ۳۶ برس کی تھی یہ ہر حیثیت سے کمال کی منزل تھی اور اس لئے آپ کی علمی و عملی جلالت باپ کی زندگی ہی میں مسلم ہو چکی تھی پھر جناب غفرانمآبؒ نے ۱۲ جمادی الاول ۱۲۳۵ھ کو یعنی اپنے انتقال سے صرف دو مہینے سات دن پہلے ایک وصیت نامہ بھی تحریر فرمایا تھا جس میں آپ کی قائم مقامی کی تصریح فرمادی تھی اس لئے جناب غفرانمآبؒ کے بعد حکومت اور رعایا، خواص اور عوام اہل خاندان اور اغیار سب نے بالاتفاق آپ کو جناب غفرانمآبؒ کا جانشین تسلیم کر لیا۔

تقسیم عمل

خواہ اسے جناب غفرانمآبؒ کی ہمہ گیر صلاحیت اور غیر معمولی خصوصیت سمجھا جائے یا یوں خیال کیا جائے کہ جناب غفرانمآبؒ کے بعد تبلیغی کاموں کا حلقہ اتنا وسیع ہو گیا تھا اب وہ صورت ممکن نہ تھی، بہر حال یہ واقعہ ہے کہ جناب غفرانمآبؒ تنہا جن تمام مہمات کے کفیل تھے اب غفرانمآبؒ کے بعد ضرورت ہوئی کہ وہ امتیازی اہلیوں کے لحاظ سے متعدد اشخاص پر تقسیم ہو جائیں چنانچہ انتہائی تنظیم اور اتحاد باہمی کے ساتھ یہ تقسیم اس طرح عمل میں آئی کہ بادشاہ اور امراء کے یہاں کے دینی ضروریات کی تکمیل اور تبلیغ و اشاعت کے ادارہ کی تنظیم و ترتیب وغیرہ جناب سلطان العلماء نے اپنے ذمہ لی اور تدریس و تربیت افاضل اور اجتہادی مسائل کی تحقیق و تنقیح وغیرہ سب سے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء کے متعلق ہوئی اور عوامی ضروریات کی انجام دہی مثل نماز جماعت اور استخارہ وغیرہ کے درمیانی بھائی جناب

مولانا سید علی صاحب اور مولانا سید حسن صاحب سے وابستہ ہوئی جو کہ تقدس و تقویٰ کے ساتھ امتیازی خصوصیت رکھتے تھے۔

انقلابات سلطنت

چونکہ آل غفران مآب ”طاب ثراہ“ میں جناب سلطان العلماء نے سب سے زیادہ عمر پائی یعنی پچاسی برس دنیا میں زندگانی گزاری، اس لئے آپ کو اپنے دور میں سلطنت وقت کے بہت سے انقلابات کے ساتھ سابقہ پڑا۔ شروع میں غازی الدین حیدر کا زمانہ پھر نصیر الدین حیدر کا پھر محمد علی شاہ کا، پھر امجد علی شاہ، پھر واجد علی شاہ اور پھر انتراع سلطنت غدر اور اسکے بعد انگریزوں کی حکومت۔

جب تک شاہی رہی، شاہوں کے مختلف مزاجوں اور طبیعتوں کی وجہ سے مختلف حالات سامنے آئے اور جب شاہی گئی اور انگریزوں کا دور آیا تب تو زمین آسمان ہی بدلے ہوئے نظر آئے۔

یہ تمام حالات اور ان کے تقاضے اتنے مختلف تھے کہ جب تک قدرت کی طرف سے ایسا ہمہ گیر دل و دماغ نہ ملا ہوتا ایک ایسے ہمہ گیر روحانی اقتدار والی شخصیت کو جیسے کہ سلطان العلماء کی تھی ان تمام ادوار میں زندگی گزارنا آسان نہ تھا۔

میرا مطلب یہ ہے کہ اگر سلطان العلماء ایک محراب و مدرسہ میں محدود قسم کے عالم ہوتے جب تو ہو سکتا تھا کہ انقلابات کی آندھیوں سے وہ غیر متعلق رہ سکیں مگر جس پیمانے پر جناب غفران مآب نے دینی ادارہ کی داغ بیل ڈالی

تھی اور جس منتہائے عروج تک وہ اب سلطان العلماء کے وقت میں پہنچ گیا تھا اس کے لحاظ سے واقعہ یہ تھا کہ وہ شیعوں کے پورے اجتماعی نظام پر حاوی تھا جس کا دائرہ اب ہندوستان کے شرق و غرب پر محیط ہو چکا تھا بلکہ اسکے فیوض عراق و ایران تک پہنچ رہے تھے۔ ایسی صورت میں ناممکن تھا کہ گوشہ گیری اور انزواء کے طریقہ پر عمر بسر کی جاتی یا برسر اقتدار سلاطین سے بالکل غیر متعلق ہو کر زندگی گذاردی جاتی جب کہ وہ سلاطین بھی مذہب جعفری کے نام لیوا اور پرستار تھے اور انکی صحیح رہنمائی بھی جس حد تک ممکن ہو روحانی رہبر کے فرائض میں داخل تھی۔

اس کا نتیجہ تھا کہ ان میں سے بعض ادوار جناب سلطان العلماء کے لئے کافی امتحانی بن گئے جن میں سے بڑا نازک دور نصیر الدین حیدر بادشاہ کا ہے جس کے کچھ واقعات کا چرچا امتداد زمانہ کے محو کرنے والے اثرات کے باوجود اب تک بعض زبانوں پر بھی جاری ہے اور بعض کتابوں کے صفحات پر بھی آگیا ہے۔ جن میں کبھی تو جناب سلطان العلماء کی ذہانت نے میدان سر کیا ہے اور کبھی خدا داد ہمت و جرأت نے جس کے ساتھ بروقت تائید ربانی اور اقبال سردی کے پیدا کئے ہوئے رعب و ہیبت کا بھی اثر شامل ہے۔

مثلاً یہ موقع کافی نازک تھا کہ جواں سال نصیر الدین حیدر بادشاہ کے ذہن میں کچھ مخصوص کیفیات کے عالم میں اور پھر عوامی عقیدت کے جذبات کے ساتھ ۲۱ ماہ رمضان کے تابوت جناب امیر علیہ السلام کے لئے یہ روہ آجاتی ہے کہ جناب سلطان العلماء نماز جنازہ پڑھائیں تاکہ شبیہ مکمل

ہو جائے۔

عوام غالباً اس موقع کی نزاکت کو زیادہ محسوس نہ کر سکی اور شاید اس دور کے عوامی علماء بھی ایسے موقع پر آسمیں کوئی دشواری محسوس نہ کریں کہ بادشاہ کی خواہش پر عمل کر ہی دیا جائے مگر فرض شناس علماء دین کے لحاظ سے یہ موقع بڑا سخت امتحانی تھا۔

بحیثیت یادگار کوئی عمل وہ نیا بھی ہو تو اصطلاحی طور پر اسے بدعت سمجھنا درست نہیں ہے جب کہ اسے شرع میں خاص طور پر وارد ہونے کے تصور سے نہیں کیا جاتا بلکہ عمومی احکام کے تحت میں انجام دیا جاتا ہے مگر نماز ایک خاص عبادت ہے جس کے لئے شریعت نے مواقع مقرر کر دیئے ہیں اور بغیر ان مواقع کے دل بخواہ اسے انجام دینا یا خود ساختہ شکل سے انجام دینا بدعت ہے جو حرام ہے۔

ادھر بادشاہوں کی طبیعت کہ وہ جس وقت جو دھن آجائے اسکے خلاف کچھ سمجھنے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتے پھر فرمائش ایسی جوائے اس وقت کے تصورات کے لحاظ سے سلطان العلماء کے فرائض میں داخل ہے۔ یہ وہ موقع تھا عوام کو تو شاید اس وقت کے بھی اسکی نزاکت کا احساس نہ ہو مگر اس وقت کے اہل علم کے طبقہ میں بڑا انتشار اور تلاطم پیدا ہو گیا تھا کہ اب سلطان العلماء کیا کریں گے۔ اگر بادشاہ کی مخالفت کرتے ہیں تو آج جان کی خیر نہیں اور اگر تعمیل کرتے ہیں تو اپنے شرعی موقف کے لحاظ سے پستی میں جاتے ہیں۔ ادھر جناب سلطان العلماء کو اس نزاکت کا بھی احساس کہ بادشاہ کے دل میں جو یادگار کے تقدس اور

احترام کا جذبہ ہے اس جذبہ کو ٹھیس بھی نہ لگنا چاہئے۔

اس وقت غیر معمولی ذہانت ہی کا کرشمہ تھا کہ جو جناب سلطان العلماء اس خطرہ سے بال بال باہر نکل آئے۔ اس طرح کہ آپ بادشاہ کی طلب پر بلا توقف تشریف لے گئے اور شریک تابوت ہوئے۔ جب تابوت تیار ہو کر آیا اور سامنے رکھا گیا بادشاہ نے کہا بڑھے آگے اور نماز پڑھائیے تو سلطان العلماء نے ایک خاص انداز سے فرمایا کہ یہ تو امام کا تابوت ہے۔ امام کے سوا کون نماز پڑھا سکتا ہے؟ یہ حقیقت پرور جواب وہ تھا کہ جو بادشاہ کے جذبہ احترام کے بالکل مطابق تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے سلطان العلماء سے زحمت دہی کی معافی چاہی اور آپ بخیر وعافیت شریعت کدہ کی طرف واپس ہوئے۔ بہت ممکن ہے کہ کسی وقت فرصت میں اس کے بعد آپ نے بادشاہ کو اصل شرعی پہلو سمجھا بھی دیا ہو مگر ظاہر ہے کہ اس وقت نفسیاتی طور پر اسکا کوئی امکان نہ تھا اور وہی طریقہ کار گر ہو سکتا تھا جو جناب سلطان العلماء نے اپنی ذہانت سے اختیار فرمایا۔

دوسرا واقعہ جس میں جرأت و ہمت اور رعب و اقبال نے کام کیا یہ تھا کہ کسی وجہ سے نصیر الدین حیدر بادشاہ کو آپ سے پر خاش پیدا ہو گئی اور یہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو مجمع عام میں سبک کریں۔ اس لئے آپ کو بلوایا اور اپنے لئے ایک کرسی بچھوائی جس پر خود بیٹھے اور بس ایک کرسی پاس رکھی جس پر قلمدان رکھ دیا اور ارادہ یہ کیا کہ آج نہ سلطان العلماء کی تعظیم کو کھڑا ہوں گا اور نہ بیٹھنے کے لئے جگہ دوں گا

بلکہ کھڑے کھڑے بات کرنے پر مجبور کروں گا تاکہ لوگوں کی نظر میں وہ سبک ہو جائیں۔

سلطان العلماء حسب الطلب تشریف لائے مگر جب آخری زینہ پر پہنچے تو آپ نے دستور عرب و عجم کے مطابق بلند آواز سے کہا یا اللہ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں آ رہا ہوں اس آواز سے بادشاہ نے بے ساختہ اوپر دیکھا اور گھبرا کر اپنی جگہ سے تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اتنی دیر میں سلطان العلماء قریب پہنچ گئے اور بلا تکلف قلمدان ہاتھ میں اٹھا کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئے اور قلمدان کو اپنے زانو پر رکھ لیا بادشاہ نے مسئلہ پوچھا یہ بھی درحقیقت مسئلہ نہ تھا بلکہ ایک طرح کی بحث منظورتھی کہ کیا یہ درست ہے کہ امم سابقہ میں اگر کسی کے جسم پر نجاست لگ جاتی تھی تو اتنا جسم کاٹ ڈالا جاتا تھا۔ جناب سلطان العلماء سمجھ گئے کہ اس کے بعد کیا سوال ہوگا آپ نے فرمایا ہاں درست ہے مگر خون اس شریعت میں نجاسات میں داخل نہیں تھا۔ اس کے بعد بادشاہ کو کچھ کلام کرنے کی گنجائش محسوس نہ ہوئی اور آپ فی امان اللہ کہہ کر رخصت ہو گئے۔ بادشاہ رخصت کے وقت بھی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کچھ دیر تک سوچ میں بیٹھے رہے بعد میں کسی بے تکلف شخص سے کہا کہ میں نے تو یہ چاہا تھا کہ آج قبلہ و کعبہ کی تعظیم نہ کروں گا مگر جب وہ آئے تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے بغلوں میں ہاتھ دیکر مجھے کھڑا کر دیا بیشک یہ خدا کے مخصوص بندے ہیں۔

اس وقت سے بہت زیادہ آپ کی عظمت سے

متاثر ہوئے مگر ان کے اشغال کچھ ایسے تھے کہ بسا اوقات وہ لاشعوری طور پر کچھ احکام دیدیتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ حکم دے دیا سلطان العلماء کے مکان کو توپ سے اڑا دیا جائے یہ شام کا وقت تھا حکم افسر تو پخانہ کو پہنچا وہ خود سلطان العلماء سے انتہائی متاثر تھا اسے بڑی فکر ہوئی۔ اس نے جان پر کھیل کر رات راتا دو توپیں نصب کرائیں ایک سلطان العلماء کے مکان کے سامنے اور دوسری توپ قصر سلطانی کے بالمقابل بادشاہ صبح کو اٹھے تو اب ہوش میں تھے خبر ہوئی کہ قصر سلطانی کے سامنے توپ لگی ہوئی ہے افسر کو بلایا کہا یہ کیا قصہ ہے اس نے دست بستہ عرض کیا حضور نے رات کو یہ حکم صادر کیا تھا سلطان العلماء کا مکان توپ سے اڑا دیا جائے میری غیرت ایمانی نے گوارا نہ کیا کہ بادشاہ دین کا مکان اڑا دیا جائے اور بادشاہ دنیا کا باقی رہے اس لئے میں نے چاہا کہ میں اپنا دین برباد کر رہا ہوں تو آج دنیا کو بھی برباد کر دوں اور پھر خود بھی ختم ہو جاؤں بادشاہ بہت متاثر ہوئے اپنا حکم سابق منسوخ کیا اور توپخانہ افسر کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ کے بعد محمد علی شاہ ہوئے یہ بڑے دیندار تھے اور علماء سے عقیدت رکھتے تھے ان کے ذریعہ سے جو کار خیر قائم و دائم طور پر انجام تک پہنچا وہ وقف حسین آباد مبارک کی شکل میں اب تک قائم ہے جس سے باوجود انتظامی خامیوں اور بہت حد تک مفاد وقف کے پورا نہ ہونے کے پھر بھی کثیرا تعداد کارہائے خیر اب تک انجام پا رہے ہیں۔

حکومت شرعیہ کا قیام

محمد علی شاہ کا دور زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہا مگر ان ہی کے مذہب پرور سایہ تربیت میں پروان چڑھے ہوئے امجد علی شاہ سریر اقتدار پر آئے تو انہوں نے سلطان العلماء کو بلا کر تاج ان کے سامنے ہی رکھ دیا کہ یہ آپ کا حق ہے میرا نہیں ہے سلطان العلماء نے انہیں شاباشی دی اور فرمایا ہمیں شخصی اقتدار درکار نہیں ہے۔ آپ ان مقاصد کی تکمیل کریں جو شریعت مطہرہ میں اہم اور ضروری ہیں تو میں یہ تاج خود اپنی طرف سے آپ کے سر پر رکھ دوں بادشاہ نے سلطان العلماء سے عہد و پیمان کیا اور آپ نے وہ تاج اپنے دست مبارک سے خود انکے سر پر رکھ دیا غالباً اسی کی طرف جناب مفتی میرعباس صاحب نے جناب سلطان العلماء کی وفات کے بعد قطعہ تاریخ میں اس شعر کے ساتھ اشارہ کیا ہے:

آں ہمایوں منظرے کز سایہ اقبال او
بادشاہاں سر بسر دیہیم و افسر داشتند

امجد علی شاہ نے اپنے اس عہد کو پورا یوں کیا کہ تمام نظام مملکت کو قانون شریعت کا تابع بنا دیا دیوانی اور فوجداری دونوں عدالتیں سلطان العلماء کے ماتحت ہو گئیں اور تمام دوائر دولتی سلطان العلماء کی مرضی کے مطابق تشکیل ہوئی چنانچہ محکمہ شرعیہ کے چیف جسٹس جناب سلطان العلماء کے سب سے بڑے بیٹے جناب منصف الدولہ شریف الملک مولوی سید محمد باقر صاحب ہوئے۔ پولیس جناب خلاصۃ العلماء مولانا سید مرتضیٰ صاحب کے تحت ہوئی اور فوجداری کے محکمہ کے نگران اعلیٰ خود جناب سلطان العلماء ہوئے

جہاں قانون شریعت کے مطابق حدود شرعیہ کا اجراء ہوتا تھا غرض تمام محکمے اسی صورت پر قائم ہوئے۔

استغناء اور قناعت

مذکورہ بالا صورت حال میں ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ سلطان العلماء کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے کچھ کر سکتا تھا مگر اس وقت جب پوری حکومت سلطان العلماء کے ہاتھ میں تھی انہوں نے نہ اپنے لئے کوئی عالیشان محل تعمیر کیا نہ اپنی اولاد کے لئے کوئی بڑی جائیداد خرید کر گئے۔

گاؤں جواب تک زمینداری کے خاتمہ کے پہلے اولاد سلطان العلماء کے پاس تھے وہ وہی تھے جو غفران آباد کو زمانہ آصف الدولہ میں عطا ہوئے تھے جناب سلطان العلماء کے زمانہ کی کوئی جائیداد اور کوئی اندوختہ ان کی اولاد تک نہیں پہونچا۔ وہی عالمانہ اپنا ذاتی کاشانہ جوہری محلہ میں تھا جہاں مقدمات بھی فیصلہ ہوتے تھے اور مجرموں کو سزائیں بھی دی جاتی تھیں اور تمام دفتری کام بھی انجام پاتے تھے۔

یہ سیرت کا پہلو وہ تھا جس سے متاثر ہو کر جناب مفتی میرعباس صاحب کو کہنا پڑا

در حکومت زہد و تقوئے العجب ثم العجب
کیسہ پر زرد داشتند و طبع بوذر داشتند

صاف گوئی اور حق پروری

جناب سلطان العلماء نے نصیر الدین حیدر بادشاہ کے دور حکومت میں بھی کبھی ”کلمہ حق“ سے زبان نہیں

پر آئے۔ ان کے دور میں وہ شرعی نظام تو قائم نہیں رہا جو امجد علی شاہ نے قائم کر دیا تھا مگر سلطان العلماء کے ادب و احترام میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور جناب سلطان العلماء نے اپنی روایتی صاف گوئی اور حق پروری کو برابر قائم رکھا جس کی وجہ سے اب کبھی کبھی تصادم کے امکانات پیدا ہوئے مگر سلطان العلماء نے اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔

اس کا ایک خاص موقع ہنومان گڈھی کے واقعہ میں آ گیا تھا جب ایک مسجد پر مقامی اکثریت نے قبضہ کر لیا تھا اور اٹیٹھی کے مولوی امیر علی صاحب تمام آئینی کوششوں کے بعد سر سے کفن باندھ کر مسلمانوں کی ایک پر جوش جماعت کو لیکر اس مسجد کی حفاظت کے لئے چل کھڑے ہوئے حکومت کسی وجہ سے مقامی اکثریت کی ہم نوا بن گئی تھی اور مولوی امیر علی کی حیثیت حکومت کے باغی کی سمجھی جا رہی تھی۔ اس موقع پر یہ تاریخی واقعہ ہے کہ علمائے فرنگی محل تک نے جو مولوی امیر علی صاحب کے ہم مذہب تھے یہ فتویٰ دیا تھا کہ اطاعت اولی الامر واجب ہے اور مولوی امیر علی کو حکومت کی مخالفت نہ کرنا چاہئے مگر سلطان العلماء نے شیعہ عالم ہوتے ہوئے شیعہ حکومت کا ساتھ نہیں دیا اور بادشاہ کی انتہائی کوشش کے باوجود امیر علی صاحب کے خلاف فتویٰ صادر نہیں فرمایا اور صاف کہہ دیا کہ ان کے خلاف کوئی اقدام حرام اور ناجائز ہے اگرچہ سلطنت نے اس فتوے پر عمل نہیں کیا مگر وہ انتہائی ناگواری کے باوجود سلطان العلماء کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکی اس علمی جاہ و جلال کو دیکھتے ہوئے جناب مفتی صاحب نے فرمایا

روکی یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ نے کسی ایسی عورت سے جس میں کچھ عذر شرعی تھا تعلق ازدواجی قائم کرنے کا مسئلہ دریافت کرایا اور جناب نے قانون شرعی کے مطابق جواب دیا کہ حرام ہے پھر کچھ مدت کے بعد اور ممکن ہے کہ اظہار ناگواری اور رعب و دبدبہ سلطانی کے تھوڑے سے مظاہرات کرنے کے بعد دوبارہ وہی مسئلہ پوچھوایا تو جناب نے ارشاد کیا اس مسئلہ کا جواب ایک مرتبہ جو دیا جا چکا ہے وہی ہے ”حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ و حرام محمد حرام الی یوم القیامۃ“ اس میں لطیف پہلو یہ تھا کہ خود آپ کا اسم گرامی بھی سید محمد تھا۔

پھر اب امجد علی شاہ تو آپ کے شرعی ہدایات پر چلنے کا عہد و پیمان کر چکے تھے اب اظہار حق میں کون امر مانع ہو سکتا تھا؟ چنانچہ محکمہ شرعیہ قائم ہونے کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک تاجر بادشاہ کے لئے کوئی بہت بیش قیمت طلا کار اور جواہر نگار مسند و تکیہ لایا تھا جسے تیرہ لاکھ میں خرید کیا گیا مگر ارکان دولت نے چند لاکھ اسے دے کر باقی قیمت دہالی اور ادانہ کی۔ اُس نے دفتر وں میں بڑی دوا دوش کی مگر اس کی سنی ان سنی کر دی گئی۔ اب جب محکمہ شرعیہ قائم ہو گیا تو اس نے بادشاہ کے خلاف سلطان العلماء کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا آپ نے ضروری ثبوت لینے کے بعد بادشاہ کے خلاف اسے ڈگری دے دی اور بادشاہ کے یہاں سے وہ روپیہ ادا کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان العلماء کے انصاف و عدالت کی ہر قوم و ملت میں دھوم ہو گئی۔

امجد علی شاہ کے بعد واجد علی شاہ تخت حکومت

رہبر دین علی بودست و ہمنام نبی
ہیبت از رعب اور قلب کافر داشتند

لطائف و ظرائف

جناب سلطان العلماء کے رعب و داب اور جلال و سطوت کی بنا پر تصور ہوتا ہوگا کہ آپ تک مزاج اور پرخشونت انداز رکھتے ہوں گے مگر یہ حیرت ناک بات ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ آپ بڑے کشادہ رو اور خوش مزاج، لطیف الطبع اور حاضر جواب تھے اور اس خوش طبعی کے ساتھ ذہانت کی کار فرمائی نے آپ کے سوانح نگار کے لئے لطائف کا ایک ذخیرہ باقی رکھا ہے جس کا سینہ بسینہ اب تک تذکرہ چلا آتا ہے ان میں سے چند بطور مثال ذیل میں درج ہیں

۱- آپ کے بے تکلف احباب میں ایک سنی عالم مولوی امر اللہ صاحب تھے ایک روز چند ایسے ہی رفقاء کا اجتماع تھا جناب سلطان العلماء نے امر اللہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ کے لئے ہم نے مہر کے لئے ایک نقش تجویز کیا ہے وہ بڑے اشتیاق سے متوجہ ہوئے حاضرین بھی گوش بر آواز ہو گئے آپ نے فرمایا۔ آپ کے نقش خاتم میں یہ آیت قرآن بہت مناسب ہوگی ”وَمَا كَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا“ حاضرین سب ہنسنے لگے مولوی صاحب بھی چارنا چارنس پڑے۔

۲- نصیر آباد میں جو آپ کا آبائی وطن تھا محلہ قضاہ کی طرف سے تعزیر لے جاتے تھے۔ یہ راستہ قریب کا تھا مگر اس طرف اہلسنت کی آبادی تھی۔ ایک سال فرقہ واریت نے ذرا شدت اختیار کی اور اہلسنت کے کچھ ممتاز افراد نے

جناب سلطان العلماء کے پاس آ کر عرض کیا کہ آپ شیعیاں نصیر آباد کو ہدایت فرمائیں کہ وہ تعزیرے اس راستے سے نہ لے جائیں۔ دوسرے راستے سے لیجائیں آپ حکم دیدیں تو سب تعمیل کریں گے آپ نے فرمایا میں لکھنؤ میں۔ یہ معاملہ نصیر آباد کا میں دخل دے کر کیا کروں۔ پھر آپ اپنے نقطہ نظر سے دیکھئے تو بدعت کا تھوڑی دیر کا ہونا اچھا یا زیادہ دیر تک جب راستہ دور کا ہوگا تو بدعت دیر تک ہوگی۔ اس لئے آپ کو بھی راستے کے بدلنے پر اصرار نہ کرنا چاہئے۔

۳- غدر میں چونکہ برجیس قدر کی تاجپوشی آپ کے ہاتھ سے ہوئی تھی اس لئے انگریزوں کے یہاں آپ کا نام باغیوں کی فہرست میں درج ہو گیا تھا غدر کے بعد جب انگریزی تسلط ہوا تو آپ سے بدگمانی انگریزوں کی عرصہ تک قائم رہی۔ اس زمانے کے انگریز جو یہاں آتے تھے وہ مسلمانوں کے مذہب، معاشرت اور فرقوں کے خصوصیات سے خوب واقف ہوتے تھے ایک دن کسی انگریز حاکم نے ایک مجمع میں سلطان العلماء سے کہا کہ جب آپ کے امام ظہور کریں گے تو پھر آپ ہم لوگوں سے خوب جہاد کریں گے اور ہمیں ماریں گے۔ آپ نے مسکرا کر فرما دیا کہ ان کے ساتھ حضرت عیسیٰ مسیح بھی ہونگے جو ان کی ہدایت ہوگی اس پر عمل کریں گے وہ انگریز خاموش ہو گیا اس شگفتہ مزاجی کو یاد کر کے جناب مفتی صاحب نے خوب فرمایا ہے:

حسن خلق و خوف محشر از جناب شاں نگر
خندہ برب داشتند و دیدہ تر داشتند

تصانیف

آج ہی کل نہیں بلکہ ماضی قریب کے بہت سے علماء کو دیکھا جائے تو انہوں نے کوئی ایک مشغلہ خدمت دین کی حیثیت سے اختیار کر لیا خواہ وہ بیان منبر ہو یا کسی ادارہ کا انتظام ہو تو وہی تصنیف و تالیف سے ان کی معذوری کے لئے کافی ہو گیا یا اگر پریشان حالی میں زندگی بسر ہوئی تو ”فکر نان“ ہی عذر قوی بن گئی مگر ذرا سلطان العلماء کے ایک پوری حکومت کے نظام کی سربراہی کو دیکھئے جسے ”فکر نان“ نہیں ”فکر جہان“ کی حیثیت حاصل تھی اور اس کے بعد ان کے تصانیف پر نظر ڈالئے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان تمام مشاغل و شواغل کے باوجود ان کے تصانیف تعداد میں اپنے پیشرو حضرت غفرانمآب طاب ثراہ اور اپنے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء کے برابر ہی نظر آتے ہیں پھر یہ تعداد مختصر رسالوں ہی کے ناموں سے پوری نہیں ہوتی ہے بلکہ ان میں ضربت حیدریہ کی دو جلدیں بھی ہیں جو مجموعاً ایک ہزار صفحات کے قریب ہیں اور متعدد کتابیں کئی کئی سو صفحات کی ہیں۔ ان تصانیف میں علاوہ تحقیق و تدقیق کے جس میں صرف ذہنی جودت کی ضرورت ہے۔ تفحص اور جستجو کے ایسے آثار بھی ہیں جن کے لئے کثرت مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے ساتھ خود انکی انفرادیت اس خوش طبعی کی آمیزش سے ہے جس کا ان کے لطائف کے باب میں تذکرہ ہو چکا ہے۔

ذیل میں کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے:

- (۱) طَعْنُ الرِّمَاحِ (۲) مِنْهَا جُ التَّدْقِيقِ (عربی)
- (۳) سَيِّفُ مَسِيحٍ مَسْحَ عَلَى الرِّجْلَيْنِ کی بحث

میں (۴) أَضْلُ الْأُضُولِ رَدُّ الْأَخْبَارِ يَتَن (۵) سَبْعُ مَثَانِي (۶) عَجَالَةُ نَافِعَةٍ عَرَبِيٍّ مختصر علم کلام (۷) بَارِقَةُ ضِيغَمِيَّةِ رَدِّ تَحْفَةِ دَرِّ بَحْثِ مَتَعَةٍ (۸) ضربت حیدریہ دو جلدیں۔ یہ بھی بحث متعہ میں ہے بارقہ ضیغیہ کے جواب میں مولوی رشید الدین دہلوی شاگرد صاحب تحفہ نے ”شوکت عمریہ“ لکھی ہے اس کا جواب آپ نے ضربت حیدریہ کے نام سے تحریر فرمایا جو بڑی مہتمم بالشان تصنیف ہے حالانکہ دیباچہ میں ایک شاگرد کا نام لکھ دیا ہے مگر یہ امر معلوم و متیقن ہے کہ کتاب تصنیف جناب سلطان العلماء ہی کی ہے جس کی تصدیق طباعت کے وقت اس دور کے تمام بزرگ مرتبہ علمائے خاندان نے فرمائی ہے (۹) بَوَارِقُ مُؤَبَّقَةٍ رَدِّ تَحْفَةِ اثْنَا عَشَرِيَّةِ بَحْثِ اِمَامَتِ (۱۰) اِخْيَائِ الْاِجْتِهَادِ (اصول فقہ) (۱۱) رسالہ مسئلہ ضیق و وسعت در قضا (۱۲) فوائد نصیریہ در مسائل زکوٰۃ و خمس (۱۳) رسالہ جمعہ (۱۴) رسالہ تحقیق نجاست عرق جب لجرام (۱۵) گوہر شاموار در جواب سوالات نصیر الدین حیدر بادشاہ متعلق افضلیت اہلبیت و قرآن (۱۶) بَشَارَاتُ مُحَمَّدِيَّةٍ (۱۷) قِتَالُ النَّوَاصِبِ (۱۸) حَاشِيَةُ شَرْحِ سَلَمِ حَمْدِ اللَّهِ (۱۹) رسالہ حل مسئلہ جذرا صم (۲۰) ثَمَرَةُ الْخِلَافَةِ (۲۱) اَزَاحَةُ الْغَيِّ در رد عبدالحی (۲۲) سَمُّ الْفَأْرِ (۲۳) صمصام قاطع، اس میں شعائر عمر ۱۰ پر استدلالی بحث ہے (۲۴) بَزْؤُفُ خَطِطٍ (۲۵) کتاب مبسوط در رد تحفہ بحث امامت (۲۶) حَاشِيَةُ شَرْحِ صَغِيرِ فَقِه (۲۷) شَرْحُ زُبْدَةِ الْأُضُولِ (۲۸) كَشْفُ الْغَطَائِ (۲۹) اجازہ

جناب ممتاز العلماءؒ (۳۰) رسالہ در اثبات حفاظ قرآن
در فرقہ شیعہ (۳۱) اجازہ جناب عمدۃ العلماءؒ

تلامذہ

باوجودیکہ تربیت و تعلیم طلاب اور یوں سمجھنا
چاہئے کہ مستقبل کے افراد کی تعمیر کا کام جناب سید العلماء
اعلیٰ اللہ مقامہ کے ذمہ رکھ دیا گیا تھا اور ان کے بعد عملی طور پر
ان کے خلف الصدق جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ
نے اس ادارہ کو سنبھالا پھر بھی کچھ حضرات نے جناب
سلطان العلماء سے استفادہ علمی کے لئے بھی کچھ وقت
حاصل کر لیا چنانچہ آپ کے حالات میں ان کے تلامذہ کے
نام ملتے ہیں۔

(۱) مولوی سید محمد صاحب جنہیں پھر ہوگلی میں
امام جمعہ و جماعت کے منصب پر بھیج دیا گیا تھا (۲) مولوی
سید سرفراز حسین صاحب (۳) قاضی سید محمد رضا عرف آغا
سید صاحب جانی (۴) حافظ قاری سید جعفر علی صاحب
جارچوی (۵) مرزا محمد صاحب فیض آبادی (۶) مولوی
مشرف علی صاحب (۷) سید باقر شاہ بخاری (۸) مولوی
سید دیدار جہاں صاحب متوطن بڑا گاؤں ضلع فیض آباد جو
مولانا سید عالم حسین صاحب مرحوم مدرس جامعہ سلطانیہ کے
ناناتھے (۹) مولانا سید علی حسن صاحب جانی جو خطیب آل
محمد مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم کے ناناتھے (۱۰) مفتی
نواب میرزا صاحب (۱۱) مولانا سید علی صاحب محدث
مصنف مجالس علویہ۔

ان تلامذہ کے علاوہ آپ کے صاحبزادگان بھی
آپ کے علوم کے وارث تھے جن میں سب سے بلند ہستی
جناب خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ اعلیٰ اللہ مقامہ کی تھی نیز ملک
العلماء سید بندہ حسین صاحب جو آپ کے جانشین بھی ہوئے
ان حضرات کا مرکز استفادہ ان کے والد بزرگوار جناب
سلطان العلماء ہی کی ذات تھی۔

وفات

شب جمعہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو لکھنؤ میں
۸۵ سال کی عمر میں یہ آفتاب علم و دین غروب ہو گیا۔
آپ کا زمانہ ہندوستان میں شیعیت کے عروج
و سر بلندی علمائے دین کے وقار و عظمت کے ارتقاء اور خاندان
اجتہاد کی سر بلندی کے کمال شباب اور پھر ابتدائے زوال کا
دور تھا۔

آپ نے اپنی آنکھوں سے وہ دن بھی دیکھا جس
کے آفتاب نیمروزہ خود تھے اور خود اپنے مغرب قبر میں نہاں
ہونے کے پہلے ہی اس شام کا دھند لگا بھی دیکھ لیا جو آپ کے
بعد رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور جواب ایک رات کی صورت میں
محیط ہو گیا ہے۔

جناب مفتی میر عباس صاحب قبلہ نے جو قطعہ
تاریخ اس سلسلہ میں نظم کیا تھا اس کے بعض اشعار جستہ جستہ
متعدد مقامات پر آتے رہے ہیں اس قطعہ تاریخ میں جہاں
سے وفات کا ذکر شروع ہوتا ہے اور پھر مادہ تاریخ ہے وہ
اشعار درج ذیل ہیں:

حیرتم از حال مرگ سید رضواں مآب
گوینا شوق لقائے دوست در سر داشتند
با تشنج در نماز آخر روز وفات
رفع ید در گفتن اللہ اکبر داشتند
ساعت ده از شب بست و دوم ماه ربیع
رخت بر بستند و عزم بزم داور داشتند
آہ یا ویلاہ ما ادراک ما یوم الخمیس
کاند ریں کنج لحد از خاک بستر داشتند
حلہ ہائے نو بنو پوشد در خلد بریں
در جہاں گر چہ لباس کہنہ در برداشتند
سال تاریخ وفاتش را چہ می پرسى زمن
آسمانے بود وائے از زمیں برداختند
اولاد و اخلاف

آپ کو عمر کے تناسب ہی سے قدرت کی جانب
سے نعمت اولاد فراواں عطا ہوئی تھی جن میں سب صاحبان علم
تھے اور متعدد افراد کمال و اجتہاد کی منزل پر فائز تھے
(۱) فرزند اکبر جناب منصف الدولہ شریف الملک سید محمد باقر

صاحب مصنف تشہید المبانی (۲) جناب سید صادق صاحب
مصنف تائید المسلمین وغیرہ (۳) خلاصۃ العلماء جناب سید
مرتضیٰ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ جو یگانہ روزگار فلسفی و معقولی
تھے اور جناب فردوس مآب مولانا سید حامد حسین صاحب
مصنف عبقات الانوار کے استاد تھے اور پھر فن سپہ گری میں
اس دور کے مانے ہوئے استاد تھے (۴) سید عبداللہ صاحب
مصنف خلاصۃ الاعمال وغیرہ

ان تمام حضرات کا انتقال جناب سلطان العلماء
کی حیات میں ہوا
(۵) ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب جو اپنے والد
بزرگوار کے بعد ان کے جانشین قرار دئے گئے (۱۶) سید
غلام حسین صاحب (۱۷) تاج العلماء سید علی محمد صاحب
جامع علوم یگانہ روزگار عالم اور کثیر التصانیف۔ آپ کے
تذکرہ کے لئے مستقل طور پر ایک کتاب کی ضرورت ہے
(۱۸) سید محمد علی صاحب جو جناب خلاصۃ العلماء کے بعد فن
سپہ گری میں استاد ہوئے۔ (۱۹) جناب ڈپٹی سید علی اکبر
صاحب مصنف تصانیف کثیرہ وغیرہ۔ ❀❀❀

